اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی مدارس کی بقا اور مزید دینی مدارس کے قیام پر توجہ کی ضرورت

الحمد للہ وطن عزیز کے طول و عرض میں دینی مدارس کا جال بچھا ہے جو حکومتی بجٹ کا زیرو فی صد خرچ کئے بغیر ملک و قوم کی خدمت میں مصروفِ کار ہیں۔ اور وطنِ عزیز پر مزید ٹیکسوں کا بوجھ لادے بغیر تعمیرِ وطن میں اپنا بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔ حال ہی میں دینی مدارس کے بارے میں جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں ان کے مطابق اس وقت ملک میں قائم دینی مدارس اور ان میں زیرِ تعلیم طلبہ کی تعداد کے اعتبار سے دیوبند مکتبِ فکر ٹاپ پر ہے۔ جبکہ سنی (بریلوی) مدارس اور طلبہ کی تعداد بہت کم ہے۔ ملک کے سوادِ اعظم کے نمائندہ مدارس اور ان مدارس کے طلبہ کی تعداد کی کمی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سوادِ اعظم کی اکثریت دینی علوم سے بے بہرہ رہنا چاہتی ہے یا ملک کی غالب سنی اکثریت کے ذہنوں پر ابھی تک دینی تعلیم کی اہمیت واضح نہیں کی جاسکی۔ ہمارے خیال میں اکثریت کا بے علم رہنے یا علم سے بے رغبتی کا ایک سبب منجملہ دیگر اسباب، کے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں یہ باور کرایا گیا ہو کہ ان کی نجات دین پڑھنے سے زیادہ دین پر عمل کرنے میں ہے جس کے نتیجہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ سنت کا یہ اکثریتی طبقہ دین پر عمل کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے اور محافلِ سماع، منعقد کرنے محافلِ نعت کا اہتمام کرنے، اعراسِ بزرگانِ دین منانے، مزارات پر حاضریاں دینے، چادریں چڑھانے، اپنے مشائخ طریقت کی خدمت میں نذرانے پیش کرنے، ان کی دست بوسی و قدم بوسی میں گوئے سبقت لے جانے میں خاصا منہمک نظر آتا ہے۔ غالباً اس طبقہ کے نزدیک دین پر عمل کی عملی شکل یہی ہے۔ اللہ معاف کرے بعض آستانوں پر تو ریس کے گھوڑے پالنے، اور ریچھ کتوں کی لڑائیوں کا اہتمام بھی مریدین کی ڈیوٹی اور وظائف میں شامل ہے۔ اب ان بے چاروں کو ان سب مشاغل سے فرصت ملے تو وہ تعلیم و تعلم کی طرف آئیں یا قیامِ مدارس کے بارے میں سوچیں۔ اس غالب اکثریتی طبقہ کو گائیڈ لائن چونکہ عموماً اپنے پیر خانوں سے ملتی ہے اور پیر خانوں کی اکثرت کی صورت حال یہ ہے کہ ان پر زر پرستوں کا قبضہ ہے، وہاں اب نہ

اخلاقی تربیت کا کوئی نظام ہے نہ دینی تربیت کا الا ماشاء اللہ۔ چند ان بزرگانِ دین کی خانقاہوں کو چھوڑ کر جو اپنے اسلاف کے طور طریقوں کو قائم رکھے ہوئے ہیں، اور جن کی زیر سرپرستی و نگرانی اب بھی سینکڑوں مدارس کام کر رہے ہیں، اکثر کا عالم یہ ہے کہ پیر صاحب یا سجادہ نشین صاحب مریدوں کو دینی مدارس قائم کرنے کی نصیحت فرمانے کی بجائے آستانے کی خدمت کا حکم دیتے ہیں، اور آستانہ پر کوئی قابلِ ذکر درسگاہ قائم کرنے اور اسے چلانے کی بجائے ان کی ترجیحات کچھ اور ہیں۔

اسی طرح وہ سنی لوگ جو مال دار ہیں، زمین دار ہیں، کارخانہ دار ہیں، کاروباری ہیں وہ دارِ زر پہ کھنچے ہوئے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی اسی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں جس میں وہ خود ہیں، وہ اپنے معصوم نونہالوں کو دینی تعلیم کے جان گسل عمل اور دشوار گزار پگڈنڈی پر نہیں چلانا چاہتے، بلکہ وہ انہیں ترقی کی شاہراہ پر دوڑتا دیکھنا چاہتے ہیں وہ ترقی جو زر آور ہو نہ کہ ضرر آور۔ رہا سنی عوام کا عوامی طبقہ تو اس بے چارے کو روٹی کی فکر نے اس قدر ہلکان کر دیا ہے کہ تلاشِ معاش میں وہ صبح نکلتا اور سرِ شام واپس لوٹتا ہے۔ اور چونکہ اس کی دن بھر کی محنت اس کی گھر بھر کی ضروریات پوری نہیں کرپاتی اس لئے وہ اپنے بچوں کو بھی اپنے ساتھ گدھے ہانکنے، ٹھیلا لگانے، تگاری اٹھانے اور صفائی کرنے کے کام میں شریک کرنا ضروری سمجھتا ہے، ہاں کہیں کثرتِ عیال کی وجہ سے اسے یہ بھی طے کرنا پڑتا ہے کہ ان میں سے دو ایک کو کسی کی کفالت مل جائے تو غنیمت ہے سو کفالت کی یہ تلاش و جستجو اسے کسی مدرسہ کی راہ دکھا دیتی ہے اور یوں وہ اپنے جگر گوشہ کو کسی دار العلوم کی دہلیز پار کرا دیتا ہے۔ دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی بہت کم تعداد ایسی ہے جن کے والدین متمول ہوں اور دین سے والہانہ محبت و عقیدت کی بناء پر انہوں نے اپنی اولاد کو نرم و گداز بستروں سے محروم کر کے مدارس کے ٹاٹ پر سونے اور چٹائیوں پر لیٹنے کی مشق کرائی ہو، یا جنہیں گولڈن اسپون سے محروم کر کے ہاتھوں سے کھانا سکھایا ہو، یا جنہیں مرغن غذاؤں سے محروم کر کے روکھی سوکھی کھانے اور لنگر پر گزارہ کرنے کا عادی بنایا ہو۔

ایسے دینی مدارس کے منتظمین کو خدا جزائے خیر دے جو اپنے مدارس میں جدید سہولتیں فراہم کر رہے ہیں اور جن کے مطبخ و ہوسٹل کا نظام عمدہ ہے اور جو دینی تعلیم کی طرف رغبت کے وسائل مہیا کر کے کچھ لوگوں کو اس طرف مائل و راغب کرنے میں کامیاب ہیں ورنہ اکثر و بیشتر سنی مدارس کا

عالم یہ ہے کہ مہتمم اور اس کی اولاد خوشحال اور مدارس بد حالی کا شکار ہیں، منتظم صاحب کے بنگلے بن رہے ہیں اور طلبہ کی رہائش گاہیں مخدوش ہیں، ناظمین عمدہ پوشاکوں میں ملبوس جدید موڈلز کی کاروں پر سوار نظر آتے ہیں اور طلبہ کے پاس پہننے کو دوسرا جوڑا تک نہیں۔ عطریات میں ڈوبا ہوا مہتمم مدرس طلبہ کو سادہ زندگی کا درس دیتا ہوا کیسا لگتا ہوگا اس کا اندازہ ہر صاحبِ عقل و خرد کر سکتا ہے۔

کاش کہ سنی مدارس کے منتظمین مشائخ طریقت اور علماء و تاجرانِ اہلِ سنت، نئے مدارس کے قیام اور چلتے ہوئے مدارس میں مزید طلبہ کی گنجائش پیدا کریں، طلبہ کے لئے وہ سہولتیں مہیا کریں جن کے پیش نظر سنی عوام اپنے بچوں کو مدارس میں بھیجیں، کیا کبھی کسی مدرسہ میں کوئی سیمینار، کوئی اجلاس، کوئی بیٹھک اس موضوع پر غور کرنے کے لئے بھی ہوئی ہے کہ مدارس میں طلبہ کی تعداد کو کس طرح بڑھایا جائے؟ یوں تو ہم مسلک اور دیگر مسالک کے علماء کے ساتھ متنوع موضوعات پر گفتگو کی خبریں آتی رہتی ہیں کبھی اس پر بھی بات ہونی چاہئے کہ مدارس اور طلبہ کی تعداد میں اضافہ کی صورت گری کیا ہو؟ کراچی جیسے بڑے شہر کے سنی مدارس میں ماسوا چند ایک کے، درسِ نظامی کے شعبہ میں طلبہ کی تعداد مایوس کن ہے۔

چلتے ہوئے مدارس کی بقا اور نئے مدارس کے قیام کی طرف ہر سنی خطیب و عالم کو اپنے خطبات و دروس میں عوام کو راغب کرنے کی ڈیوٹی سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ وہ خطباء اور واعظین جنہیں لوگ بیس بیس اور تیس تیس ہزار روپے نذرانہ پیش کر کے فرقہ وارانہ اختلافات پر ان کا وعظ سنتے ہیں، انہیں اپنے وعظ کے کسی حصہ میں اپنے ہم مکتب و ہم خیال لوگوں پر دینی تعلیم اور مدارس کے قیام کی اہمیت بھی واضح کرنی چاہئے۔

مشائخ عظام نے جہاں مریدوں کے کروڑوں روپے کے صرفہ سے اپنے آستانوں کو مرمریں کیا ہے وہیں ایک آدھ کروڑ کی انویسٹمنٹ سے آستانہ عالیہ پر ایک ڈھنگ کی درسگاہ کا اہتمام بھی ہونا چاہئے۔ بعض آستانوں کے حوالہ سے ریچھ کتوں کی لڑائیاں تو ہم نے سنیں کہیں سے یہ صدائے بازگشت بھی آنی چاہئے کہ آج فلاں آستانے اور فلاں خانقاہ کے طلبہ کے مابین فلاں علمی موضوع پر تقریری مقابلہ و مناقشہ ہوگا۔

کیا عجب شان تھی ہمارے اسلاف اور ماضی کی کہ عرس کا اجتماع ہو، شادی بیاہ ہوں یا

پرسہ مرگ کی تقریبات، طلبہ علمی مذاکرے ہی کرتے نظر آتے تھے۔ مہرِ منیر میں لکھا ہے، بھوئی کے قریب بجاڑ نامی گاؤں میں (جو کہ اب مضافاتِ واہ کینٹ میں ہے) ایک شخص کا انتقال ہو گیا، اس وقت کے دستور کے مطابق ورثاء نے ارد گرد کے معززین عوام اور دینی مدارس کے اساتذہ و طلبہ کو ختم قرآن و ایصالِ ثواب کے لئے مدعو کیا، اس دوران بھوئی اور گڑھی افغاناں (دو قصبوں کے دو معروف دینی مدارس) کے طلبہ کے مابین کسی علمی مسئلہ پر بحث چھڑ گئی، لوگ حلقہ باندھ کر سوال وجواب سننے لگے، پیر مہر علی شاہ صاحب اس وقت کم سن تھے اور قصبہ بھوئی کی درسگاہ میں زیرِ تعلیم ہونے کی بنا پر انہی طلبہ میں شامل تھے۔ اس وقت آپ حلقہ سے باہر تھے جب بحث نے طول پکڑا تو مجمع کے اندر جانے کی کوشش کی مگر ازدہام کے باعث راستہ نہ ملا۔ چنانچہ ایک شخص سے کہا مجھے اٹھا کر مجمع کے اندر پہنچاؤ اس نے کہا وہاں بڑے بڑے داڑھیوں والے طلبہ بحث کر رہے ہیں تم بچے ہو کیا کرو گے۔ آپ نے اسرار کیا تو اس نے اٹھا کر اندر حلقہ مناظرہ میں لا کھڑا کیا، اس وقت گڑھی افغاناں کے مدرسہ کے دو فارغ التحصیل طلبہ جو ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے لئے گئے ہوئے تھے اور ان دنوں تعطیلات پر آئے ہوئے تھے بھوئی کے طلبہ سے سوال جواب کر رہے تھے۔ اور اپنی فضیلت کے باعث ان پر چھائے ہوئے تھے حضرت نے پہنچتے ہی شافیہ کی عبارت .... قال خلیل الاشیاء افعال وقال الفراء لفعاء .... پڑھی اور سوال کیا کہ حسبِ قاعدہ قال کا مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے یہاں قال الفراء لفعاء میں قال کا مقولہ مفرد ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ مگر ان طلبہ میں سے کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔ اس کے بعد آپ نے ان سے منطق کا سوال کیا کہ تصدیق مرکب ہے یا بسیط، انہوں نے جواب دیا کہ امام رازی کے مذہب میں مرکب ہے، آپ نے کہا بقول امام رازی تصدیق مرکب ہے تو مقولاتِ متباینہ سے ترکیب کا اشکال وارد ہوتا ہے جن سے مرکب چیز محض اعتباری ہوتی ہے واقعی نہیں ہوتی، انہوں نے کہا کہ جائز ہے، آپ نے کہا کہ سند پیش کرو انہوں نے قاضی مبارک کی عبارتیں نوک زباں پڑھنا شروع کر دیں، جب وہ ایک عبارت ختم کرتے تو آپ کہتے اس سے رفعِ اشکال کیسے ہوا؟ اس کا وہ کوئی جواب نہ دے پاتے اور کوئی دوسری عبارت پڑھ دیتے، آپ پھر وہی سوال دہراتے جب دو تین مرتبہ ایسا ہوا تو اساتذہ نے فیصلہ صادر کیا کہ آپ جیت گئے اور لوگوں نے آفرین کی صدائیں بلند کیں ....

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلاف کا دور کیسا علمی دور تھا اور اخلاف کا کیسا علمی تنزل و زبوں حالی کا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عرس کے موقع کا ہے کہ عرس کی محفل میں اکابر علماء کی موجودگی میں حضرت علامہ سید ابو البرکات رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ عرس کی تقریب میں موجود طلبہ ہدایت النحو کے مسائل پر گفتگو کریں۔ دو گروپ ہو گئے ہر ایک نے دوسرے پر ساٹھ ساٹھ اشکالات وارد کئے اور ہر دو نے ایک دوسرے کو مناظرانہ انداز میں جواب دیا۔

بد قسمتی سے اب علمی مذاکروں کا نہ رواج ہے نہ دستور۔ اگر کہیں طلبہ و علماء کی نشستیں ہوتی بھی ہیں تو زیادہ سے زیادہ محافلِ نعت و قرات کی صورت میں۔ اور ان میں بھی فارغ وقت میں سیاست پر گفتگو ہوتی ہے یا ملکی حالات و واقعات زیر بحث ہوتے ہیں۔

تنظیم المدارس اہل سنت اگرچہ ایک اعلیٰ سطح کا ڈگری ایوارڈنگ بورڈ ہے لیکن مدارس کی نمائندگی کا فریضہ بھی اس نے ہر سطح پر خوب نبھایا ہے، حکومت سے ڈائیلاگ کا معاملہ ہو یا غیر ملکی وفود کو مطمئن کرنے کا مرحلہ ہر موقع پر تنظیم کے ذمہ داران نے اپنی ذمہ داریاں نہایت خوش اسلوبی سے نبھائی ہیں۔ اصلاحِ مدارس و قیامِ مدارس کے سلسلہ میں بھی تنظیم کو فعال کردار ادا کرنا چاہئے اور جس طرح تنظیم کے سابق صدر و ناظم اعلیٰ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قدس سرہ نے لاہور کے بعد شیخوپورہ میں ایک عظیم درسگاہ قائم کی اسی طرح دیگر شہروں میں بھی عظیم الشان نئی درسگاہوں کا قیام عمل میں لانے کے لئے اپنی کوششوں کو بروئے کار لانا چاہئے، اگرچہ سرِ دست پہلے سے قائم درسگاہوں کی بقا کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔

گزشتہ ماہ ہمارے ایک دوست نے جو کہ بنکار ہیں بتایا کہ وہ کراچی کے ایک مدرسہ کی مالی اعانت کرنا چاہتے تھے مگر جب اس کا اکاؤنٹ چیک کرایا تو معلوم ہوا کہ اس کے اکاؤنٹ میں تین کروڑ روپے سے زیادہ موجود ہیں، اگر یہ خبر درست ہے اور دیگر مدارس کے پاس بھی اسی طرح کے بنک بیلنس ہیں تو ایسے مدارس کی انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ اس خطیر رقم سے فی الفور نئے مدارس کھولنے کی کوشش کرے کہ مخالف نظریں اس طرح کے جمع شدہ عطیات پر ہیں اور کسی بھی وقت